

فتویٰ اور دیگر غیر قانونی رسوم کے درمیان فرق

مولانا سید باچا آغا

ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ اسلام خدا کا آخری اور مکمل ترین دین ہے، جس کی تکمیل کا اعلان قرآن مقدس میں موجود ہے، یہ روئے زمین پر آیا ہی اس لئے ہے کہ پوری کائنات کو اس خدا کی نظام پر چلائے اور ان گوشوں کو جاگر کرے جو انسانوں کو فضل و کمال، شرف و کرم، سچائی و یگانگت اور اخوت و محبت کی لازوال دولت سے مالا مال کر دے اور اس کے ساتھ ہی انسان، انسانیت اور اس کے تقاضوں سے ایک لمحہ کے لئے الگ تھلگ نہ ہونے پائے، جو اس کا سب سے نمایاں طرہ امتیاز ہے۔

رب العالمین نے اس عظیم الشان ”نظام حیات“ کی بقاء کے لئے قرآن مقدس جیسی کتاب نازل کی اور قیامت تک کے لئے اس کی حفاظت کا اعلان کیا، پھر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پاک باز و برگزیدہ رسول اور معصوم معلم کائنات بنا کر مبعوث فرمایا اور ختم نبوت کے تاج سے سرفراز کیا، تاکہ پورے اطمینان کے ساتھ آپ کی تعلیم و تبيين، تزکیہ و تطہیر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ نشان راہ پر ایمان لایا جائے اور اپنی زندگی کا محور و مرکز بنالیا جائے اور اس طرح انسان اس منزل مقصود تک پہنچ جائے جو اس کی تخلیق کا منشاء ہے، عہد صحابہ تک یہ نظام، فکر و نظر سے بڑھ کر عمل اور ہر حرکت و سکون میں جاری و ساری تھا، آفتاب نبوت گور پوش ہو چکا تھا، مگر اس کی گرمی سے سینے اسی طرح معمور تھے، شعبہ جات ایمان کی شاخوں میں کسی شاخ کی پژمردگی ایک لمحہ کے لئے بھی انہیں برداشت نہیں تھی، صحابہ کرامؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و اقوال کے چلتے پھرتے مجسمے تھے، ان کی کوئی ادا اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ تھی اور سچ پوچھئے تو کتاب و سنت کی یہ ایسی دل افروز شمعیں تھیں، جن سے پوری آبادی بفقہ نور بنی ہوئی تھی، مگر جیسے جیسے انسان ترقی کرتا گیا، اس کی ضرورتیں بڑھتی اور پھیلتی گئیں، پھر اسلامی حکومتوں کی بڑھتی ہوئی حدود نے نئے نئے مسائل سامنے لا کھڑے کئے، ادھر مزاجوں میں بڑی تیزی سے انقلاب آچکا تھا جو رات دن پھیلتا جا رہا تھا، سوز و گداز اور سادہ دلی و سادہ زندگی جو صحابہ کرامؓ

کاشیوہ خاص تھا، ختم ہوتا جا رہا تھا، اس لئے حالات کا تقاضا ہوا کہ کتاب وسنت کی تعلیمات ایک نئے انداز سے مرتب ہوں، صحابہ کرامؓ کے اقوال تلاش کئے جائیں اور دین کا سارا ذخیرہ سامنے رکھ کر ”نظام حیات“ کی ترتیب ایسے جاذب نظر اور دلکش انداز میں ہو کہ جسے عالم و جاہل، ذہین و غبی، عربی و عجمی اور شہری و بدوی ہر ایک آسانی سمجھ لیں اور جو مسائل صراحتاً کتاب وسنت اور اقوال صحابہ میں موجود نہیں ہیں، علماء کے باہمی غور و فکر اور بحث و تمحیص سے مستنبط ہوں، تاکہ آنے والی نسلیں پریشانیوں سے دوچار نہ ہونے پائیں اور کتاب وسنت کی روشنی میں تیز گامی سے چل سکیں اور ساتھ ہی ان کی محنت پسند اور سہل طلب طبیعتیں تلاش و تجسس کی مشقت سے محفوظ رہ جائیں، چنانچہ علمائے ربانین نے اس ضرورت کا احساس کیا اور اس کے لئے باضابطہ سب سے پہلے سراج الامت حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ آمادہ ہوئے اور آپ نے اپنے عہد کے علمائے کرام کی ایک ایسی معقول تعداد جمع کی، جس میں ہر علم و فن کے ماہرین شریک تھے، جو اپنے علم و فن میں بصیرت و مہارت کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ، خدا ترسی و فرض شناسی اور دوسرے اوصاف سے بھی متصف تھے، جن علماء کرام کی مجلس میں استنباط و استخراج مسائل کا یہ ہمہ بالشان کام انجام پایا، ان کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ کر ہزار تک تھی، ان میں چالیس علماء خصوصی صلاحیتوں کے مالک تھے اور مختلف علم و فن کے ماہرین شمار کئے جاتے تھے۔ (۱)

فقہ اور دین کے وہ پیش آمدہ مسائل جو دریافت کرنے والوں اور سائلین کے جواب میں بتائے گئے یا اس سادہ انداز پر مرتب ہوئے، وہ ”فتاویٰ“ کے قالب میں جلوہ گر ہوئے اور اس سلسلے نے انسانی ضرورتوں کا پورا پورا ساتھ دیا، کتاب وسنت اور فقہ سے مستنبط اس مفید و جدید شکل نے عام مسلمانوں کو تحقیق و جستجو کی ایک صبر آزمائش مصیبت سے بچالیا، فتاویٰ کا یہ پھیلاؤ انسانی ضرورتوں اور سوالات کے ساتھ بڑھتا گیا، انسانی زندگی کے مختلف شعبہ جات سے متعلق مسائل جیسے جیسے پیدا ہوتے گئے، کتاب وسنت اور فقہ سے مستنبط مسائل کے ذخیرہ میں اضافہ ہوتا گیا، کسی مرحلے پر جمود پیدا نہیں ہوا، چنانچہ آج انسانی زندگی سے متعلق کوئی ایسا سوال نہیں ہے، جس کا جواب مفتی آپ کو فراہم کر کے نہ دے سکے، مفتیان کرام کی جماعت جن کو فقہ سے مناسبت تامہ ہوتی ہے، ہر زمانہ میں پائی گئی اور عوام و خاص ہر ایک کا اس جماعت کی طرف رجوع عام رہا اور یہ اپنے علمی سرخ، خدا داد صلاحیت اور مخصوص فہم کی وجہ سے اس کام میں ممتاز اور نمایاں رہی اور اسے رات دن اسی کام کے ساتھ اشتغال رہا۔

فتویٰ کا معنی و مفہوم:..... لغت میں فتویٰ دو طرح پڑھا جاتا ہے: (۱) الفتویٰ، بفتح الفاء (۲) الفتویٰ، بضم الفاء، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ ”الفتویٰ بفتح الفاء، وقیل بضم الفاء ایضاً، کما فی تاج العروس ولكن الاول اصح وأشهر“۔ (۲)

یعنی ”الفتویٰ“، فاکے فتح کے ساتھ اور بعضوں نے کہا ہے کہ السفتویٰ، فاکے ضم کے ساتھ، جس طرح کہ تاج

العروس میں بھی ہے، لیکن پہلا قول صحیح اور مشہور ہے۔“

اسی طرح فتیاء، بضم الفاء بھی استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ ابن منظور نے لسان العرب میں لکھا ہے:

”الفتویٰ والفتیاء اسمان یوضعان من موضع الإفتاء إلا أن لفظ الفتیاء اکثر استعمالاً فی کلام

العرب من لفظ الفتوی۔“ (۳)

یعنی ”فتویٰ اور فتیاء دو اسم ہیں جو افتاء کی جگہ استعمال ہوتے ہیں مگر یہ کہ لفظ فتیاء عربی زبان میں فتویٰ کے نسبت زیادہ استعمال ہوتا ہے۔“

لغت میں اس کا معنی یہ ہے کہ ”سوال کا جواب دینا۔“ چاہے وہ سوال احکام شرعیہ سے متعلق ہو یا اس کے علاوہ ہو،

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے ﴿يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رَأْيِی اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ﴾ (۴)

یعنی ”اے سردار! اگر تم خوابوں کی تعبیر دے سکتے ہو تو مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ۔“

اس آیت میں دنیاوی امر کے بارے میں سوال لفظ فتویٰ سے کیا گیا ہے، بعد میں لفظ فتویٰ کو کسی شرعی سوال کے

جواب دینے کے لئے خاص کیا گیا، قرآن کریم میں اس معنی کے لحاظ سے ارشاد خداوندی ہے ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ

قُلِ اللّٰهُ يَفْتِيكُمْ فِيْهِنَّ﴾ (۵)

یعنی ”(اے پیغمبر!) لوگ تم سے (یتیم) عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں، کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے (ساتھ نکاح کرنے کے) معاملے میں اجازت دیتا ہے۔“

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يَفْتِيكُمْ فِي الْكُلّٰلَةِ﴾ (۶)

یعنی ”حکم پوچھتے ہیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے، سو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے

(حکم بتاتا ہے) تم کو کُلّالہ کا۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد ارشادات میں فتویٰ کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے، جیسا کہ ارشاد گرامی ہے:

”اجروکم علی الفتیاء اجروکم علی النار۔“ (۷)

”تم میں سے فتویٰ دینے پر زیادہ جرات مند وہ ہوگا، جو تم میں سے جہنم کی آگ پر جرات مند ہو۔“

بہر حال، دور حاضر میں فتویٰ سے مراد کسی دینی مسئلہ کا جواب دینا ہے، یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ ہم نے لفظ ”شرعی“

کے بجائے لفظ ”دینی“ کو اپنایا جس کی وجہ یہ ہے کہ مفتی صرف احکام شرعیہ عملیہ کا جواب نہیں دیتا بلکہ بعض اوقات مسائل

دینیہ اعتقادیہ، احادیث کے معانی اور اس کی کیفیت اسناد وغیرہ کا بھی جواب دیتا ہے، جن کا تعلق علوم دینیہ سے ہوتا ہے، علماء

محققین نے افتاء کی حتمی تعریفیں کی ہیں، ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بتا دینا۔“ (۸)

افتاء و قضاء میں فرق: افتاء اور قضاء قریب قریب دونوں ایک ہی ہیں، بیشتر شرائط اور اصول میں دونوں برابر ہیں،

اس لئے فقہائے کرام نے جہاں قاضی یا قضاء کے شرائط بیان کئے ہیں تو وہاں آخر میں یہ بات وضاحت کے ساتھ کہی ہے کہ یہ جملہ شرائط مفتی کے لئے بھی ہیں اور جہاں مفتی کی شرائط کا ذکر ہیں، وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ قاضی ان شرائط میں مفتی کی مانند ہیں، البتہ قاضی اور مفتی میں چند وجوہ کی بناء پر فرق ضرور پایا جاتا ہے، جو حسب ذیل ہیں:

اول:..... فتویٰ صرف امر شرعی کو بیان کرنے کا نام ہے، جیسے کسی چیز کا جواز، ندب یا وجوب یا کراہت یا حرمت وغیرہ اور فتویٰ میں مستفتی پر فتویٰ کے مقتضی پر عمل کرنے کے بارے میں کوئی الزام یا اجبار نہیں ہے، جبکہ قضاء میں محکوم علیہ پر قاضی سے صادر ہونے والے حکم پر عمل کرنے میں الزام و اجبار ہے۔

دوم:..... فتویٰ کا دار و مدار اس سوال پر ہے جو سائل نے مفتی سے کیا ہے، پس مفتی اس کا حکم یہ فرض کر کے بیان کرتا ہے کہ یہ سوال واقع اور نفس الامر کے مطابق ہے، نفس الامر میں اس کی صحت کی تحقیق کرنا مفتی کی ذمہ داری نہیں، اسی وجہ سے مفتی، فتویٰ کے شروع میں لکھتا ہے کہ ”پوچھے گئے مسئلے کا حکم یہ ہے کہ“ اس سے پوچھے گئے سوال کا واقع اور نفس الامر کے مطابق ہونا لازم بھی نہیں آتا۔

سوم:..... فتویٰ ان اشیاء میں چلتا ہے جن پر وجوب، حرمت، اباحت، ندب، کراہت، صحت یا بطلان وغیرہ کا ترتیب ہو سکتا ہو جبکہ قضاء ان اشیاء میں نہیں چلتا، جن پر وجوب، ندب، اباحت وغیرہ کا ترتیب ہوتا ہو، اس لئے کہ ندب اور کراہت کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے پر بدول کسی الزام و اجبار کے ابھارنے کا نام ہے جبکہ قضاء محض اجبار و الزام ہے۔

منصب افتاء کی عظمت:..... فتویٰ یا افتاء ایک عظیم اور مہتم بالشان امر ہے اور اس کی عظمت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ کی نسبت اپنی طرف کی ہے، ارشاد خداوندی ہے ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يَفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ (۱۰)

فتویٰ کی عظمت شان کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ اور اسلامی مسئلے کے جواب کی نسبت اپنی ذات اقدس کی طرف فرمائی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر اس عظیم اور پروقار عہدہ کو سنبھالے رکھا اور بے شمار فتوے جاری کئے، اگرچہ اس وقت فتویٰ یا مفتی کی اصطلاح رائج نہ تھی، لیکن پہلے بتا چکے ہیں کہ فتویٰ کا اصل معنی کسی شرعی مسئلے کا جواب دینا ہے، اس اعتبار سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسائل کے جوابات فتاویٰ ہی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے کے مجیب اور مفتی اعظم بھی تھے، چونکہ لفظ رسول مفتی سے بدرجہا بہتر و افضل ہے، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ”رسول“ کے مقدس نام سے یاد کئے جاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ منصب صحابہ کرام کے سپرد ہوا، مگر زیادہ نازک اور پرخطر ہونے کی وجہ سے اکثر صحابہ کرامؓ یہ تمنا کیا کرتے تھے کہ یہ کام کسی اور صاحب کے سپرد کر دیا جائے اور خود اس ذمہ داری سے بچ جائیں، اسی وجہ سے صحابہ کرامؓ میں فتویٰ دینے

والوں کی تعداد کم رہی، علامہ ابن قیمؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”اعلام الموقعین“ میں صحابہ کرامؓ میں سے مفتی حضرات کی تعداد ایک سو تیس سے کچھ اوپر بتائی ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے دور میں زیادہ فتویٰ دینے والے کل سات حضرات تھے، فرماتے ہیں:

”فكان المكثرون منهم سبعة: عمر بن الخطاب وعلي بن أبي طالب و عبدالله بن مسعود وعائشة أم المؤمنين وزيد بن ثابت و عبدالله بن عباس و عبدالله بن عمر رضي الله عنهم اجمعين۔“ (۱۱)

یعنی ”ان میں زیادہ فتویٰ دینے والے کل سات حضرات تھے، حضرت عمر ابن خطاب، حضرت علی ابن ابی طالب، حضرت عبداللہ ابن مسعود، ام المؤمنین حضرت عائشہ، حضرت زید ابن ثابت، حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین۔“

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فتویٰ کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اتنی احتیاط کی کہ صرف اپنے ہی فتویٰ اور تحقیق کو کافی نہیں سمجھا بلکہ اپنے دارالتحقیق والافتاء میں مسائل کی تحقیق و جستجو کے لئے اس وقت مجتہدین اور جید علمائے کرام کی شوریٰ بنائی، یہ شوریٰ حالات کے اعتبار سے کم و بیش ہوتی رہتی تھی، لیکن مؤرخین علمائے کرام نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے دارالتحقیق والافتاء کے محققین اور مشاورین کی تعداد چالیس تھی۔ (۱۲)

حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ منصب افتاء کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”افتاء کا منصب علمی سلسلوں میں سب سے زیادہ مشکل، دقیق اور اہم ترین سمجھا گیا ہے، فقہ کی لاکھوں متماثل جزئیات اور ان کے متعلق احکام میں تھوڑے تھوڑے فرق سے حکم کا تفاوت محسوس کرنا عمیق علم کو چاہتا ہے، جو ہر عالم بلکہ ہر مدرس کے بھی بس کی بات نہیں، جب تک فقہ سے کامل مناسبت، ذہن و ذکاوت میں خاص قسم کی صلاحیت اور قلب میں مادہ تفقہ نہ ہو، اس لئے مدارس دینیہ میں افتاء کے لئے شخصیت کا انتخاب نہایت پیچیدہ مسئلہ سمجھا گیا ہے، جو کافی غور و فکر اور سوچ و بچار کے بعد ہی حل ہوتا ہے اور پھر بھی تجربات کا محتاج رہتا ہے۔“ (۱۳)

جن لوگوں نے اپنی کم علمی اور وسعت مطالعہ کی کمی کی وجہ سے علماء دین پر جمود اور تنگ نظری کا الزام لگایا ہے، وہ بڑی حد تک معذور ہیں، البتہ قابل صدمہ و ملامت وہ حاسدین ہیں، جو ازراہ کینہ پروری ایسی باتیں کہتے ہیں۔ ہر دور کے فتاویٰ کی کتابیں مختلف زبانوں میں چھپی ہوئی ملتی ہیں، ان میں ہر دور کے نئے مسائل بھی درج ہیں اور ان کے جوابات بھی، ان کتابوں سے بڑھ کر ثبوت میں اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ (۱۴)

منصب افتاء اور خطرات:..... منصب افتاء اگرچہ ایک عظیم مقام ہے، لیکن اس عظمت کے ساتھ ساتھ اس میں عظیم

خطرات بھی موجود ہیں، کیونکہ بلند مقام پر چڑھنے والا جب گرتا ہے تو بلند مقام ہی سے گرتا ہے، تو منصب افتاء کی عظمت کے پیش نظر اس میں لا پرواہی سے فتویٰ دینا یا غفلت کرنا باعث عذاب ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

”من افنی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ۔“ (۱۵)

یعنی ”جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا تو اس کا گناہ اسی (فتویٰ دینے والے) پر ہوگا۔“

اسی طرح یہ بھی ارشاد فرمایا: ”اجروکم علی الفتیا اجر وکم علی النار۔“ (۱۶) ”تم میں سے فتویٰ دینے پر زیادہ جری وہ ہوگا، جو تم میں سے جہنم کی آگ پر جری ہو۔“

لہذا مفتی کا فریضہ ہے کہ اگر وہ اس منصب کے لائق نہیں ہے تو پھر ہرگز افتاء کی جرات نہ کرے، ورنہ وہ گناہ گار ہوگا اور سخت مجرم اور جس صاحب اقتدار نے اسے اس منصب پر فائز کیا ہے، وہ بھی گناہ گار ہوگا۔

اس سلسلے میں علامہ ابن القیم نے لکھا ہے:

”من افنی الناس وليس بأهل الفتوى فهو آثم، عاص و من أقره من ولاية الأمور على ذالك فهو آثم ايضاً۔“ (۱۷)

”جو نا اہل ہونے کے باوجود لوگوں کو فتویٰ دینے لگے، وہ گناہ گار اور نا فرمان ہے اور ذمہ داروں میں سے جو ایسے شخص کو اس عہدہ پر رہنے دے، وہ بھی گناہ گار ہے۔“

پنچائیت، جرگہ کی حیثیت:..... فتویٰ کے حوالے سے مذکورہ بالا بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اسلام نے ہمیں جو ”نظام حیات اور قانون“ فراہم کیا ہے، وہ ہر طرح کی پیچیدگیوں سے پاک ہے اور اس میں لاقانونیت کا شائبہ تک نہیں، دور حاضر کے تناظر میں جب ہم اپنے ملکی قوانین پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اس میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، سالہا سال تک مقدمات وغیرہ کے فیصلے تعطل کا شکار رہتے ہیں، جن سے تنگ آکر سائل یا تو قانون شکنی کا ارتکاب کر لیتا ہے یا تو پھر ہر ایک اپنے رسم و رواج کے مطابق از خود ہی اپنے مقدمات کا فیصلہ کرنے لگتا ہے، اس طرح مقامی رسم و رواج غالب آجاتے ہیں، یہی رسم و رواج پنچائیت یا جرگہ وغیرہ کی شکل میں با اثر حلقوں کے توسط سے سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ اسلام میں پنچائیت یا جرگہ وغیرہ کا کوئی تصور نہیں، البتہ جن علاقوں میں مسلم جج موجود نہ ہوں یا مسلمان حاکم کی عدالت میں مقدمہ لے جانے کا قانون اختیار نہ ہو، یا مسلمان حاکم قواعد شرعیہ کے مطابق فیصلہ نہ کرتا ہو تو اس طرح کی ضرورت شدیدہ میں مذہب حنفی کے مطابق مسلمانوں کی جماعت کا حکم بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جائے گا (جو کہ اصل میں امام مالک کا مذہب ہے) اس کی صورت یہ ہے کہ محلہ یا بستی کے با اثر اور دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت (جن کی تعداد کم از کم تین ہو) کے سامنے اپنا معاملہ پیش کیا جائے اور وہ جماعت واقعہ کی تحقیق کر کے شریعت کے موافق فیصلہ کر دے، اس جماعت مسلمین کو اگر پنچائیت یا جرگہ وغیرہ کا نام دیا جائے تو کوئی حرج نہیں، جبکہ حقیقت یہ

ہے کہ موجودہ زمانے میں جو پنچائیت وغیرہ ہیں، تو ان کے بارے میں وثوق سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان میں دیندار شخص شاید نہ ہو اور یہ پنچائیت جماعت مسلمین کے شرائط پر پورا بھی نہیں اترتی، علماء نے جماعت مسلمین کے لئے جو شرائط مقرر کئے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

جماعت مسلمین یا پنچائیت کے شرائط

(۱)..... کم از کم تین آدمیوں کی جماعت ہو، ایک یا دو آدمی فیصلہ کریں تو وہ معتبر نہیں۔

(۲)..... اس جماعت کے سب ارکان کا عادل ہونا شرط ہے اور عادل وہ شخص ہے جو تمام کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور صغائر پر مصر نہ ہو اور اگر کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہو تو فوراً توبہ کر لیتا ہو، لہذا سو خور اور رشوت لینے والا، داڑھی منڈوانے والا، جھوٹ بولنے والا اور بے نمازی اس جماعت کا رکن نہیں بن سکتا۔ (اگر بد قسمتی سے کسی جگہ کے با اثر لوگ دیندار نہ ہوں تو یہ تدبیر کر لی جائے کہ وہ با اثر اشخاص چند دینداروں کو اختیار دے دیں، تاکہ شرعاً فیصلہ کی نسبت دیندار جماعت کی طرف ہو اور ان با اثر اشخاص کو کوشش کا ثواب حاصل ہو جائے)۔

(۳)..... فیصلہ میں علماء کی شرکت لازم اور شرط ہے، صرف عوام کی جماعت کا فیصلہ حکم قاضی کے قائم مقام نہیں ہو سکتا، اس لئے اولاً تو یہ چاہئے کہ جماعت کے سب ارکان اہل علم ہوں اور اگر یہ میسر نہ ہو تو کم از کم ایک معاملہ فہم عالم کو ضرور جماعت کا رکن بنائیں اور دوسرے تمام ارکان معاملے کے تمام پہلوؤں کو ان عالم سے خوب سمجھ کر رائے قائم کریں اور اگر کسی جگہ یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر یہ لازم ہے کہ جماعت کے ارکان معاملہ کی روداد مکمل کر کے علماء محققین سے ہر ہر جز کا حکم دریافت کریں، ان کا جو فتویٰ ہو، اس کے موافق فیصلہ کیا جائے، اگر ایسا نہ کیا، بلکہ عوام نے محض اپنی رائے سے فیصلہ کر دیا تو وہ حکم نافذ نہ ہوگا اور فیصلہ بالکل بیکار و غیر معتبر رہے گا، اگرچہ وہ فیصلہ شریعت کے موافق بھی ہو۔

(۴)..... جماعت مسلمین کے سب ارکان متفقہ فیصلہ دیں، اگر رائے مختلف رہے اور کثرت رائے کی بناء پر فیصلہ کرنا چاہیں تو وہ فیصلہ معتبر نہ ہوگا، پس اگر ارکان میں اختلاف رہے تو مقدمہ خارج کر دیا جائے۔ (۱۸)

مذکورہ بالا شرائط کو اگر مد نظر رکھا جائے تو موجودہ دور کا پنچائیت تو بالکل اس کے برعکس ہے، دور حاضر کے پنچائیت میں علماء کی جانب سے مقرر کردہ کوئی ایک شرط بھی نہیں پائی جاتی، کوئی با اثر شخص یا محلہ بدستی کا کوئی دؤیرہ، سردار وغیرہ جو چاہے، جیسے چاہے، فیصلہ کا اختیار رکھتا ہے اور کوئی اس کے حکم کی خلاف ورزی بھی نہیں کر سکتا، بلکہ خلاف ورزی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا، دور حاضر میں پنچائیت کے فیصلے زیادہ تر قتل یا کار و کاری جیسے واقعات میں سامنے آتے ہیں، جن میں اسلامی قانون یا ملکی آئین کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا، مثلاً ہمارے ملک کے دیہاتوں میں 16 سال سے 40 سال تک کے خواتین و مردوں کو کھلے عام صرف غیرت کے نام پر بے دردی سے قتل کر دیا جاتا ہے، کہیں سے کوئی آواز نہیں اٹھتی، یہ صرف اس لئے کہ کاری قرار دے کر قتل کی جانے والی عورت کسی بڑے باپ کی بیٹی نہیں یا صرف اس لئے کہ ان کا قتل

اہمیت نہیں رکھتا کہ وہ کسی باری کی بیوی یا بہن ہے اور کسی یونیورسٹی کی پڑھی لکھی عورت نہیں بلکہ ایک اچھا اور نواور عورت ہے یا پھر کاری کے الزام میں قتل ہونے والی عورت آج بھی پتھر کے دور میں زندہ ہے، جہاں انسانی حقوق صرف بڑے لوگوں کے لئے مخصوص ہیں، جہاں آج بھی ایک نہیں، کئی کئی قتل کے فیصلے علاقے کے وڈیروں کے رحم و کرم پر ہیں اور وڈیرے چاہیں تو فیصلہ کریں اور نہ چاہیں تو نہ کریں۔ ہم دین اسلام کے پیروکار ہیں اور دین اسلام میں ناحق کسی کو اذیت دینا بہت بڑا گناہ ہے تو پھر کاروکاری کے تحت لوگوں کا ہر مہینے بڑی تعداد میں قتل کیا جانا ہمیں کہاں لے جا رہا ہے؟ بالائی سندھ کے ستم زدہ دیہاتی مختلف المیوں سے ہمیشہ دوچار رہے ہیں، کیونکہ کبھی انہیں وڈیروں کے ظلم و ستم کا نشانہ بننا پڑتا ہے تو کبھی قبائلی جھگڑے، خاندان کے خاندان اچھاڑ دیتے ہیں یا پھر کسی خاندان کو کاروکاری کے نام پر مشق ستم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ (۱۹)

خلاصہ کلام:..... اسلام ایک جامع دین ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں مستقل رہنمائی کرتا ہے، اسلام کے بنیادی مقاصد میں عزت و عصمت کی حفاظت داخل ہے اور اس نے معاشرے کو پاکیزہ بنانے اور پاکیزہ رکھنے کے لئے ایک مرتب نظام دیا ہے، اسلامی ہدایات پر عمل کے نتیجے میں جو معاشرہ تشکیل پائے گا، وہ پاکیزہ معاشرہ ہوگا اور اس میں لاقانونیت کے واقعات نہایت قلیل ہوں گے، اصل اسلامی تعلیم تو یہی ہے کہ کوئی بھی معاملہ ہوعدالت کے حوالے کیا جائے لیکن عملاً صورتحال یہ ہے کہ اسلامی قوانین مدت سے معطل ہیں تو پھر ہر ایک اپنے رسم و رواج کے مطابق از خود ہی اپنے مقدمات کا فیصلہ کرنے لگے، پھر زمانے کی گرد میں آہستہ آہستہ مقامی رسم و رواج غالب آتے گئے اور اصل اسلامی تعلیم اتنی نایاب ہو گئی کہ اس کو پیش کرنے پر عوام الناس بھی چونک اٹھیں اور جگہ جگہ علماء بھی آج اسی رسم و رواج یعنی پنچائیت اور جرگہ سسٹم وغیرہ کے محافظ بنے بیٹھے ہیں۔ (۲۰)

پنچائیت اور جرگہ سسٹم وغیرہ زیادہ تر دیہاتوں سے تعلق رکھتے ہیں تو اس میں کئی وجوہات ہیں، جن میں سے پہلی وجہ جاگیردارانہ اور سرداری نظام ہے، ایک دستور کی حیثیت سے اس کے دوام میں مقامی وڈیروں یا سرداروں (قبائلی سردار یا جاگیردار، عموماً دونوں ہی) کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، زیادہ تر سردار اپنی روایات کے ایک اہم جز کے طور پر اس کی حمایت کرتے ہیں، ان شرفاء میں سے متعدد افراد اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور انہوں نے دنیا دیکھی ہے، ان میں سے کئی اشخاص لوگوں کی نمائندوں کی حیثیت سے ملک کی پارلیمنٹ (جب معطل نہ ہو) میں بیٹھتے اور حکومت میں وزراء اور مشیران کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے ہیں، وہ سب اس بات سے آگاہ ہیں کہ گزشتہ سو برس میں ان کی جاگیروں سے باہر کی دنیا تبدیل ہو چکی ہے، مگر وہ اس قرون وسطیٰ کی دنیا میں (جس میں وہ خود رہتے ہیں) تبدیلی لانے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے، کیونکہ اگر وہ ایسی کوئی تبدیلی لائیں گے تو پھر ان کی سرداری یا جاگیردارانہ سوچ اور سسٹم کی کوئی وقعت باقی نہیں رہے گی۔ (۲۱)

تعلیم یافتہ افراد یا معاشرہ، سردارانہ اور جاگیردارانہ، مجبور و مقہور سوچ کے تحت پروان چڑھنے کی بجائے اسلامی و ملکی قانون کا پابند اور ایک آزاد و مختار سوچ کا حامل ہوتا ہے اور جاگیردارانہ تسلط کو سرے سے قبول ہی نہیں کرتا، اسی وجہ سے تو یہ بات مشاہدے سے ثابت ہو چکی ہے کہ سردار یا جاگیردار اپنے اور اپنے گھرانے کے لئے ہر قسم کی سہولیات اور اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے درپے ہوتے ہیں جبکہ اپنے ماتحت رعایا اور قوم کے لئے تمام تر سہولیات سمیت تعلیم کے تمام تر دروازے بند ہوتے ہیں، آج کل اگرچہ جاگیردارانہ نظام اپنے اصل روپ میں قائم نہیں لیکن اس کے اثرات کم و بیش اب بھی کہیں کہیں موجود ہیں، لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ تعلیم اور شعور کا سلسلہ وسیع کیا جائے، خاص کر دیہی علاقوں میں تعلیم عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

حوالہ جات

- (۱)..... حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، مکتبہ حقانیہ، ملتان، ج ۱، ۲۵-۲۴
- (۲)..... مفتی محمد تقی عثمانی، اصول الافتاء و آدابہ، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۱۱ء، ص ۸ (۳)..... علامہ ابن منظور، لسان العرب، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج ۵، ص ۲۰ (۴)..... سورہ یوسف ۱۲: ۴۳ (۵)..... سورہ نساء ۴: ۱۲
- (۶)..... سورہ نساء ۶: ۱۷ (۷)..... ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن بن الفضل، سنن دارمی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج ۱، ص ۱۷ (۸)..... مولانا عبدالحق، فتاویٰ حقانیہ، دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، ۲۰۰۸ء، ج ۱، ص ۵۶
- (۹)..... مفتی محمد تقی عثمانی، اصول الافتاء و آدابہ، ص ۱۱-۱۲ (۱۰)..... سورہ نساء ۴: ۱۷ (۱۱)..... علامہ ابن قیم، اعلام الموقعین، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج ۱، ص ۲۸ (۱۲)..... مولانا عبدالحق، فتاویٰ حقانیہ، ج ۱، ص ۸۰
- (۱۳)..... حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی، دارالعلوم دیوبند، ج ۱، ص ۲۵ (۱۴)..... ایضاً، ج ۱، ص ۵۷
- (۱۵)..... امام ابو داؤد سلیمان ابن اشعث سجستانی، سنن ابو داؤد، کتاب العلم، باب التوفی فی النقیۃ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ج ۲، ص ۱۵۹ (۱۶)..... ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن بن الفضل، سنن دارمی، ج ۱، ص ۱۷ (۱۷)..... علامہ ابن قیم، اعلام الموقعین، ج ۲، ص ۲۵ (۱۸)..... حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، حیلہ ناجزہ، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۸۷ء، ص ۱۳۹ (۱۹)..... روزنامہ جنگ، کراچی، رنگین صفحہ، جون ۲۰۰۵ء (۲۰)..... پروفیسر ثریا بتول، جدید تحریک نسواں اور اسلام، منشورات، لاہور ۲۰۰۰ء، ص ۳۶۵ (۲۱)..... رابعہ علی، غیرت کا تاریک پہلو، مترجم افتخار محمود، شرکت گاہ، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۲۵

☆.....☆.....☆